دعوت و تفہیم دین: شرعی حیثیت، ارکان، شرائط اور طریق کار

Understanding and preaching of Islam: *Sharīʻah* Status, Pillars, Conditions and Procedure

*Ghazi Abdul Rehman Qasmi

** Dr. Sobia Khan

*** Dr Muhammad Husnain

Abstract

Islam is a religion of comprehensive and inclusive teachings and is a source of guidance and enlightenment for humans till the day of judgement. Allah sent prophets to spread the message of Islam among human race. Hazrat Adam (A.S) commended the preaching of *Dīn*, the latter prophets and messengers continued it and the Holy Prophet Muhammad (PBUH) marked the completion of this message of *Dīn*. From the period of the Holy Prophet Muhammad (PBUH) thus far, the process of the preaching of *Dīn* never discontinued. However, the preachers, adopted various methodologies to spread the message. Some literati broadened the message though pen and others through speeches. Some preached Islam though their doings and actions and others adopted mysticism to spread the message of *Dīn*. The following research paper discusses about the types of Islamic preaching, fundamentals, conditions, methodologies and understanding in current era.

Key Words: *Dīn*, Understanding, Conditions, Methodology

* Lecturer, Govt. Wilayat Husain Islamia Degree College, Multan

** Assistant Professor of Islamic studies, Govt. Sadiq College Women University Bahawalpur

***Assistant Professor Division of Science and Technology, University of Education, Township Lahore

اسلام ایک عالمگیر اور جامع تعلیمات کا حامل دین ہے جو قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے منبع رشد وہدایت ہے بنی نوع آدم تک اس پیغام کو پہنچانے کے لیے اللہ تعالی نے پیغمبروں کو مبعوث فرمایا۔ دعوت دین کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کرام و رسل عظامؑ نے اسے جاری رکھا اس دین کی تکمیل خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ پر ہوئی آپ ﷺ نے بھی یہی کام کیا اور انسانیت کو خدا کا آخری پیغام مستند شکل میں مکمل محفوظ حالت میں پہنچا دیا اور امت کو بھی اس نیک کام میں حصہ لینے کا پابند کیا۔ اور اسی دعوت و تفہیم دین کی عظیم ذمہ داری کی بدولت انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے "خیر الامم" کا لقب ملا اس لیے دینی تعلیمات کا عملی زندگی پر اطلاق کے ساتھ دوسروں تک اس کی دعوت و تفہیم اور ابلاغ بھی ان کی ذمہ داری ہے یہاں چند غور طلب پہلو ہیں۔ دعوت و تفہیم دین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا فاسق شخص اس کام میں حصہ لے سکتا ہے۔؟ دعوت و تفہیم دین کی اقسام اور ارکان کتنے ہیں؟ ان کی کیا شرائط ہیں؟ اور فی زمانہ اس کا طریق کار کیا ہونا چاہیے۔؟ ان سوالات کے پیش نظر اس موضوع کا انتخاب کیا گیا ہے۔

دعوت کا مفہوم

"دعوۃ" دعا یدعو باب نصر ینصر سے مصدر سماعی ہے جو کہ عبادۃ، ندا، استعانت، استفہام، عذاب، عقوبت اور دعوت دین سمیت کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ امام فیروز آبادیؒ (م-817ھ) نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے کہ قرآن کریم میں اسی باب سے مختلف صیغے آئے ہیں جو دس معانی میں استعمال ہوئے ہیں۔[1] دعوت دینے والے کو داعی کہتے ہیں عام ازیں وہ دین یا کسی اور امر کی طرف دعوت دینے والا ہو اور کبھی آخر میں ہاء مبالغہ لاحق کر کے اس کو داعیہ بھی کہتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کو بھی داعی کہا جاتا ہے اس لیے کہ آپ ﷺ اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے۔[2]

تفہیم کا لغوی و اصطلاحی معنی

تفہیم باب تفعیل سے مصدر ہے اس کا مادہ "فہم" ہے جس کا مطلب قلبی طور پر کسی شئ کی معرفت کا حاصل ہونا۔[3] تفہیم کہتے ہیں مخاطب کو بات سمجھانا۔ امام شریف الجرجانیؒ (م-816ھ) لکھتے ہیں: التفہیم: إیصال المعنی إلی فهم السامع بواسطة اللفظ[4] الفاظ کے ذریعے مقصود کا سامع کے فہم تک پہنچانا تفہیم کہلاتا ہے۔"

مذکورہ بالا تعریفات سے معلوم ہوا دعوۃ کا معنی بلانا اور تفہیم کا معنی دوسروں تک اس انداز میں بات پہنچانا کہ ان کو اچھی طرح سمجھ آ جائے۔

دعوت دین کا مفہوم اور ضرورت و اہمیت

دعوت دین کا مطلب دینی تعلیمات کی طرف لوگوں کو بلانا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: ﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ﴾[5] اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیے۔" ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۔ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا﴾[6] اے نبی ہم نے آپ کو بلاشبہ گواہی دینے والا اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور خدا کی طرف بلانے والا اور چراغ روشن۔"

مفسرین کرامؒ نے لکھا ہے کہ ان آیات سے مراد توحید کی تبلیغ اور اسلام کی طرف دعوت دینا ہے۔[7] دعوت دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو دین میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے اسی عظیم کام کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا سلسلہ شروع فرمایا جنہوں نے اپنے اپنے زمانہ میں لوگوں کو دینی تعلیمات کی طرف بلایا اور امر بالمعروف

و نہی عن المنکر کا فریضہ سر انجام دیا۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ﴾[8] "اور البتہ تحقیق ہم نے ہر امت میں یہ پیغام دے کر رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو۔" دعوت دین کی اہمیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ انبیاء و رسل، مومنین و صلحاء کا کام ہے۔[9] اور مومنین و منافقین کے درمیان اسی سے فرق ہوتا ہے۔[10] اور دعوت الی الخیر کی ہی وجہ سے اللہ تعالی کی طرف سے امت مسلمہ کو "خیرالامم "لقب ملا۔[11] اور اللہ کی طرف بلانے کو "احسن قول" قرار دیا گیا۔[12] اور پھر قرآن کریم میں انہی پر ہی اکتفاء نہیں کیا گیا بلکہ باقاعدہ اس کام کا حکم دے کر اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا۔[13] اور خود آنحضرت ﷺ نے اس کی متعدد ارشادات عالیہ میں تاکید فرمائی۔

دعوت دین کا شرعی حکم

دعوت دین کے حوالہ سے قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ میں جو تاکید آئی ہے اور چشم پوشی پر وعید کا بیان اس بات کی وضاحت اور صراحت کرتا ہے کہ دعوت دین واجب ہے ۔یہاں صرف دو آیات کو بطور استشہاد کے ذکر کیا جاتا ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾[14]

اہل علم نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھاہے کہ دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے کیونکہ ایک تو آیت میں ﴿وَلْتَكُنْ﴾ صیغہ امر ہے جو وجوب پر دلالت کر رہاہے اور دوسرا افلاح و کامیابی کا دارومدار بھی اسی کو قرار دیا گیا۔[15] اسی طرح قرآن کریم میں ایک اور مقام پر حضرت لقمانؑ کی وصیت کا ذکر ہے جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی اس میں یہ بھی تھا: ﴿يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰي مَآ اَصَابَكَ ۭ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾[16] بیٹا! نماز قائم کرو، اور لوگوں کو نیکی کی تلقین کرو، اور برائی سے روکو، اور تمہیں جو تکلیف پیش آئے، اس پر صبر کرو۔ بیشک یہ بڑی ہمت کا کام ہے۔"

اس آیت کے آخری حصہ ﴿مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴾ سے بھی استدلال کرتے ہوئے اہل علم نے لکھاہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے یہاں عزم مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی عزم سے معزومات مراد ہے کہ یہ امور قطعیات اور فرائض میں سے ہیں۔[17] باقی رہی یہ بات کہ دعوت دین فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان بحث ہوئی ہے۔ بعض کی رائے میں یہ فرض عین ہے ان میں امام ابو اسحاق الزجاجؒ (م-311ھ) امام الثعلبیؒ (م-427ھ) امام السمعانیؒ (م-489ھ) اور امام محی السنہ البغویؒ (م-510ھ) وغیرہ شامل ہیں۔[18] جبکہ جمہور کی رائے میں یہ فرض کفایہ ہے اگر بعض لوگ اس فریضہ کو سر انجام دیدیں تو دوسروں سے یہ فرضیت ساقط ہو جائے گی اور اگر کسی نے بھی اس کام میں حصہ نہ لیا تو سب گنہگار ہونگے۔ ان میں امام ابو بکر جصاص الرازیؒ (م-370ھ) حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (م-505ھ) علامہ زمخشریؒ (م-538ھ) امام نیسا پوریؒ (م-550ھ) امام قرطبیؒ (م-671ھ) قاضی بیضاویؒ (م-685ھ) علامہ سیوطیؒ (م-911ھ) وغیرہ شامل ہیں۔[19] دلائل کی تفصیل کے لیے مذکورہ تفاسیر کی طرف مراجعت کی جاسکتی ہے۔ اس مسئلہ میں جمہور کا قول راجح ہے/ اس لیے کہ مطلوبہ شرائط ہر شخص میں نہیں پائی جاتیں یا ان میں توافق اس طرح پیدا کیا جاسکتاہے کہ ہر شخص نیکی اور خیر کی کوئی نہ کوئی بات جانتاہے اور اسی طرح منکرات سے بھی واقف ہے تو اپنے اپنے علم کے لحاظ سے ہر شخص پر دوسروں کو

نیکی کی طرف بلانا فرض عین ہے اور جہاں اس بارے میں دینی تعلیمات کی مکمل تفصیل درکار ہو وہاں جو اس کے اہل ہیں صرف انہی کی ذمہ داری ہو گی اس اعتبار سے یہ فرض کفایہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فاسق کا دعوت دین میں حصہ لینے کا جائزہ

دعوت دین ایک اہم شرعی فریضہ ہے اور جتنے بھی شرعی احکامات ہیں ان کا اولا مقصود اصلی یہی ہے کہ انسان پہلے خود اپنی اصلاح کرے اور پھر دوسروں کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہوئے ان کی طرف بھی متوجہ ہو اس لیے کہ بے عمل انسان کی دعوت موثر نہیں ہو گی بلکہ لوگ ایسے شخص کا استہزاء کرتے ہیں۔ لہذا داعی کو پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے سوال یہ ہے کہ ایک شخص پوری طرح متبع شریعت نہیں ہے یا اس میں شرعی لحاظ سے کچھ کمزوریاں ہیں اور وہ شخص خود فسق و فجور میں مبتلا ہے مگر شرعی احکامات و دینی پیغامات کی اسے معرفت ہے کیا ایسا شخص جو بذات خود معاصی سے متصف اور گناہوں سے آلودہ ہو وہ اس نیک کام میں حصہ لے سکتا ہے اور دوسروں کو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کر سکتا ہے؟ اس مسئلہ میں اہل علم کے درمیان بحث ہوئی ہے۔ بعض اہل علم کی رائے میں فاسق دعوت دین دینے کا اختیار نہیں رکھتا کیونکہ اس آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنے والوں کو "مفلحین" میں سے شمار کیا گیا ہے۔[20] اور فاسق شخص فلاح پانے والا نہیں لہٰذا اس کو دعوت دین دینے کا بھی کوئی حق نہیں ہے؟ لیکن محققین کے نزدیک راجح قول یہی ہے کہ فاسق شخص جو منکرات کا ارتکاب کرتا ہے اس کو بھی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا اختیار حاصل ہے چنانچہ اس مسئلہ میں نیک وبد کا فرق نہ کیا جائے۔ اس پر امام ابو بکر الجصاص الرازیؒ (م-370ھ) امام غزالیؒ (م-505ھ) علامہ زمخشریؒ (م-538ھ) اور امام فخر الدین رازیؒ (م-606ھ) نے تفصیلی بحث کی ہے۔[21] جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دعوت دین صرف نیک وصالح افراد کی ذمہ داری نہیں بلکہ اگر کوئی شخص نیکیوں کے ساتھ ساتھ خدانخواستہ کسی گناہ میں مبتلا ہے تو اس کی بھی اتنی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت الی الخیر میں حصہ لے اور اپنی حالت بھی بدلنے کی کوشش کرے۔

دعوت و تفہیم دین کی اقسام

دعوت دین ایک وسیع المفہوم اصطلاح ہے جس کو قرآن کریم نے کہیں "دعوت الی اللہ" سے اور کسی مقام پر "دعوت الی سبیل ربک" سے اور کہیں "دعوت الی الخیر" سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔

1. امر بالمعروف
2. نہی عن المنکر

لیکن اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو متضمن ہے مثلاً کسی معروف اور نیکی کا حکم دینا درحقیقت منکرات اور معاصی سے روکنا ہے اور اسی طرح منکرات و معاصی کو ترک کرنا معروف کا بجالانا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ معروف اور منکر سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں اہل علم نے مختلف اقوال نقل کیے ہیں۔ ان سب کا مقتضی تقریبا ایک ہی ہے صرف تعبیر کا فرق ہے۔ کہ ہر وہ نیکی اور طاعت کا کام جو شریعت اسلامیہ اور انسانی فکر و عقل کے دائرہ کار میں آتا ہو وہ معروف ہے اور جو کام معاصی و گناہوں میں شمار ہوتا ہو انسانی عقل بھی اسے قبیح جانے تو وہ منکر ہے۔[22]

دعوت و تفہیم دین کے ارکان

دعوت دین کے چار ارکان ہیں۔

1. دعوت دینے والا
2. جس بارے میں دعوت دی جارہی ہے۔(امر بالمعروف یا نہی عن المنکر)
3. مخاطب جس کو دعوت دی جارہی ہے
4. نہی عن المنکر کے درجات اوران کی شرائط

ان میں ہر رکن کی متعدد شرائط ہیں جن پر امام غزالیؒ نے کئی صفحات پر مبسوط و مفصل انداز میں بحث کی ہے جو اصل کتاب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔[23] یہاں پر اختصار و جامعیت کے ساتھ امام موصوفؒ اور دیگر ائمہ کی بیان کردہ شرائط کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

دعوت و تفہیم دین کی شرائط

جیسا کہ ابھی گزرا کہ دعوت و تفہیم کے چار ارکان ہیں اور ہر رکن کی متعدد شرائط ہیں جو آنے والی سطور میں درج ذیل ہیں۔

1. شرائط داعی

جو شخص دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام کرنا چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاقل وبالغ ہو مسلمان ہو اور اس کام پر قادر ہو اس تعریف سے پاگل، بچہ اور عاجز خارج ہوگئے ان کے علاوہ رعایا میں سے عام وخواص افراد انہیں حاکم وقت کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو، فاسق، عورت اور غلام کو بھی دعوت کا حق حاصل ہے۔[24] بعض اہل علم نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے امام اور حاکم وقت کی طرف سے اجازت ضروری ہے کیونکہ یہ اصل میں اسی کی ذمہ داری ہے۔[25] اور احکام شریعت کی معرفت، احتساب کے مواقع، حدود، اسباب، موانع اور موقع محل کی تعین کا علم ہو تاکہ شریعت کی متعین کردہ حدود پر اکتفاء کرے۔[26] اس لیے کہ عین ممکن ہے جاہل اور ناواقف شخص عدم علم کی وجہ سے معروف سے منع کردے اور منکر کا حکم کردے۔ اور نرمی کے موقعہ پر سختی سے پیش آئے اور سختی کے موقعہ پر نرمی کا معاملہ کر بیٹھے۔ یا اجتہادی مسائل میں اپنے مذہب و مسلک میں ایک چیز کو معروف سمجھتا ہو مگر وہ چیز دوسرے کے مذہب میں منکر ہو یا اس کے برعکس اس کے مذہب میں منکر ہو اور دوسرے کے ہاں معروف ہو اور وہ اس سے منع کردے۔ یا ایسی باتوں کو منکر سمجھ کر بحث ومباحثہ اور فتوی دینا شروع کردے جن پر انکار اور گرفت کرنا عبث اور بے کار ہو۔ یا ایسے انداز میں منکرات سے منع کرے کہ اگلے آدمی کی سرکشی میں اضافہ ہوجائے۔[27] اسی طرح داعی کے اندر ورع ہونا چاہیے تاکہ جو کچھ اسے معلوم ہے اس کی مخالفت نہ کرے بہت سے اہل علم اپنے علم کے مطابق عمل نہیں کرتے بلکہ بسا اوقات وہ یہ جانتے ہوئے کہ وہ دعوت میں شرعی حدود سے تجاوز کررہے ہیں باز نہیں آتے اپنی کسی دنیاوی غرض شہرت، طلب جاہ کی وجہ سے اس کام کو جاری رکھتے ہیں چنانچہ داعی ایسے شخص کو ہونا چاہیے کہ جس کی بات اور نصیحت مقبول و موثر ہو اور یہ صفت اہل ورع میں ہی ہوتی ہے کیونکہ فاسق کی نصیحتوں پر لوگ استہزاء کرتے ہیں اور کبھی ان کے ساتھ الجھ پڑتے ہیں[28] اور داعی کو حسن اخلاق کی صفت سے مالا مال ہونا چاہیے تاکہ دعوت کے عمل میں نرمی اور لطف و کرم سے پیش آئے اس لیے کہ بسا اوقات منکر کو دیکھ انسان شدید غصہ میں آجاتا ہے اور اس کیفیت پر قابو پانے کے لیے محض علم اور ورع کافی نہیں بلکہ ضروری ہے کہ طبعیت میں حسن اخلاق پایا جائے چنانچہ ورع بھی اس وقت تک تام

اور مکمل نہیں ہوتا جب تک حسن خلق ساتھ نہ ہو اور غیض وغضب پر قابو نہ ہو۔ اور جن لوگوں یہ میں صفت نہیں ہوتی وہ مخاطب کی طرف سے گالی گلوچ اور مار پیٹ کی صورت میں آگ بگولہ ہو جاتے ہیں اور دعوت کو بھلا کر اپنے ذاتی انتقام کی طرف توجہ کر لیتے ہیں اس لیے داعی کا حسن اخلاق سے پیش آنا ضروری ہے۔[29] داعی کو دعوت دین کے طریق کار کی کیفیت، مراتب نہی عن المنکر اور ادائیگی کا بخوبی علم ہونا چاہیے تاکہ وہ مخاطب کی رعایت رکھتے ہوئے کسی بھی طریقے کو اختیار کر کے اس فریضہ کو سرانجام دے۔[30]

❷ جس امر کے سلسلہ میں دعوت دی جارہی ہے اس میں دیکھا جائے گا کہ دعوت سے مقصود امر بالمعروف ہے یا نہی عن المنکر ہے ان میں سے ہر ایک کے لیے شرائط ہیں۔

امر بالمعروف کے لیے شرائط

معروف شرعی ہو یعنی قرآن وسنت نے جس چیز کو معروف قرار دیا ہو اس کی طرف بلایا جائے۔ امر بالمعروف، اچھے طریقے سے ہونا چاہیے ایسا انداز نہ ہو جس سے فساد پڑ جائے۔[31] آپ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَمَرَ بِمَعْرُوفٍ فَلْيَكُنْ أَمْرُهُ ذَلِكَ بِمَعْرُوفٍ» [32] "جو شخص معروف بات کا حکم دے اسکو چاہیے کہ وہ عمدہ طریقے سے اس کا حکم دے۔"

اسی طرح یہ بھی شرط ہے کہ امر بالمعروف کرنے والے شخص کو اذیت پہنچنے کا خوف نہ ہو اور اگر کوئی شخص اس کے باوجود وہ یہ کام کرتا ہے تو اس کے لیے بہت بڑے اجر وثواب کی بات ہے۔[33] اور یہ بھی مدنظر رہے کہ امر بالمعروف مامور بہ کے تابع ہو گا اگر اس چیز کا بجالانا شرعا واجب ہے تو اس کا حکم کرنا بھی واجب ہو گا اور اگر وہ چیز مندوب ہے تو اس کا حکم کرنا بھی مندوب ہو گا۔[34] یہ بڑی اہم اور قابل غور بات ہے کہ جس چیز کی طرف دعوت دی جارہی ہے اس کی اپنی شرعی وفقہی حیثیت کو پیش نظر رکھا جائے ہر نیکی کے کام کو درجہ وجوب پر لے آنا یا محض مندوب ومستحب قرار دینا صحیح نہیں ہے۔

شرائط نھی عن المنکر

جس چیز سے منع کیا جارہا ہوں وہ شئ از روئے شریعت منکرات (برائیوں) میں سے ہو۔ عام ازیں وہ گناہ صغیرہ ہو یا کبیرہ ہر دونوں سے روکنا واجب ہے۔[35] جس منکر سے منع کرنا ہے اس کا فی الحال موجود ہونا ضروری ہے مثال کے طور پر کوئی شخص شراب پی چکا ہے اب عوام اس پر گرفت نہیں کرے گی بلکہ عدالت اس کے خلاف کارروائی کرئے گی اور جس منکر کے ہونے کے بارے میں علم ہو کہ فلاں شخص یہ کام کرے گا مثلا شراب وغیرہ پیے گا تو اس کی تفہیم ونکیر محض وعظ ونصیحت سے ہو گی اگر وہ اس بات کو بیان کر دے کہ میرا شراب پینے کا کوئی ارادہ نہیں ایسے ہی کسی نے یہ بات میرے بارے میں پھیلائی ہے تو اس کو وعظ ونصیحت کرنا بھی جائز نہ ہو گا کیونکہ اس سے مسلمان کے بارے میں سوء ظن پیدا ہوتا ہے کیونکہ عین ممکن وہ سچ بول رہا ہو یا ایسی صورت حال ہو جائے کہ وہ اپنے عزم کو پورا نہ کر سکے۔[36] وہ منکر داعی پر کسی تجسس اور ٹوہ کے بغیر ظاہر ہو جائے لہذا کوئی شخص اگر اپنے گھر میں دروازے بند کر کے کسی معصیت کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے لوگوں سے مخفی رکھتا ہے تو اس کی جاسوسی کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالی نے دوسروں کی ٹوہ لگانے سے منع کیا ہے۔[37] داعی کو اجتہاد کے بغیر اس چیز کا منکر ہونا معلوم ہو لہذا وہ تمام اموراور باتیں جن کا تعلق اجتہاد سے ہے ان میں دعوت نہیں ہو گی مثال کے طور پر احناف کے ہاں گوہ اور جس جانور پر جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو اس کا کھانا جائز نہیں ہے لیکن شوافع کے ہاں جائز ہے اب حنفی مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے شخص کو شافعی المسلک کا اس بات پر دعوت دینا اور اس پر پکڑ کرنا

درست نہیں ہے۔ اسی طرح وہ تمام مسائل جن میں ائمہ نے اجتہاد کیا ہے اور ایک امام کی تحقیق میں وہ بات معروف میں سے ہے اور دوسرے کے ہاں منکر میں سے تو ان ائمہ کے متبعین ایک دوسرے کی ان مسائل پر نکیر نہیں کرسکتے ہاں اگر حنفی یا شافعی المسلک اپنے امام کی تحقیق اور اجتہاد کے برعکس محض سہولت کی خاطر کسی دوسرے امام کی تحقیق واجتہاد کے مطابق عمل شروع کردے تو اس مسلک کے علماء اس پر گرفت کرسکتے ہیں۔ یا اسی طرح کسی حنفی نے شافعی کو دیکھا کہ وہ اپنے مسلک کے خلاف پر عمل کررہا ہے تو وہ اس پر نکیر کرسکتا ہے کہ تمہارا یہ عمل مسلک شافعی کے خلاف ہے اسی طرح شافعی المسلک، حنفی المسلک کا محاسبہ کرسکتا ہے۔ باقی اس پر یہ اشکال ہوسکتا ہے کہ جب اجتہادی مسائل میں حنفی المسلک ،شافعی المسلک پر نکیر اور گرفت نہیں کرسکتا اور نہ شافعی المسلک، حنفی سے استفسار کرسکتا ہے تو پھر غیر معتزلی کو بھی معتزلی کے عقائد پر نکیر نہیں کرنی چاہیے؟ مثلاً آخرت میں اللہ تعالی کا دیدار نہیں ہوگا اور قرآن پاک مخلوق ہے وغیرہ کیونکہ یہ بھی ان کے علماء کے اجتہادات ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مسائل دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں ہر مجتہد کا اجتہاد درست ہے یہ وہ مسائل ہیں جو حلت وحرمت سے متعلق ہیں ان میں مجتہدین پر اعتراض نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ ان کی خطا یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی بلکہ ظنی ہوتی ہے اور دوسرے مسائل وہ ہیں جن میں حق صرف ایک ہے مثلاً روز قیامت رویت باری تعالی و دیگر مسائل ان میں مخطی کی خطا یقینی ہے جو محض جہالت کی وجہ سے غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اہل بدعت کی مبتدعانہ باتوں پر انکار اور گرفت کی جائے گی اگرچہ وہ اپنے حق پر ہونے کا دعوی کرتے ہیں جیسا کہ یہود ونصاری کا کفر واضح اور قطعی ہے مگر وہ اپنی حقانیت کا اعتقاد رکھتے ہیں جبکہ اجتہادی مسائل میں واقع ہونے والی خطا ظنی ہے یقینی نہیں ہے۔[38]

❸ جس شخص کو دعوت دین دی جارہی ہے جو داعی کا مخاطب ہے اس کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے اندر ایسی صفت کا پایا جانا ضروری ہے کہ وہ فعل ممنوع اس کے حق میں منکر ہو۔ اس کا کم ترین درجہ یہ ہے کہ وہ انسان ہو، مکلف ہونا شرط نہیں ہے اس لیے کہ نابالغ بچہ اگر شراب پی لے تو اسے بھی منع کیا جائے گا اسی طرح یہ بھی شرط نہیں وہ اچھائی اور برائی میں امتیاز کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو چنانچہ اگر کوئی مجنون و دیوانہ شخص کسی مجنونہ عورت سے زنا کرے یا کسی جانور سے فعل قبیح کا مرتکب ہو تو اسے بھی روکا جائے گا البتہ بعض افعال پاگل کے حق میں منکرات میں سے نہیں ہوتے مثلاً وہ صوم وصلوۃ کا تارک ہو تو اسے ان کی ادائیگی کی طرف نہیں بلایا جائے گا۔[39]

❹ نہی عن المنکر کے درجات اور شرائط

نہی عن المنکر کے چند درجات اور شرائط ہیں اس میں اصل وہ روایت ہے جس کو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَاسْتَطَاعَ أَنْ يُغَيِّرَهُ بِيَدِهِ فَلْيَفْعَلْ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ»[40] جو شخص تم میں سے کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے تو وہ ہاتھ سے اس کو بدل دے اگر ایسا ممکن نہ ہو تو زبان سے ایسا کرے اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے ہی اس کو برا جانے مگر یہ ضعیف ترین ایمان کا درجہ ہے۔"

اس حدیث میں برائی کو مٹانے کے مرحلہ وار تین درجات بیان کیے گئے۔

① ہاتھ سے مٹانے کی قدرت ہو تو اس سے کام لے۔

② اگر اس کی طاقت نہ ہو تو پھر زبان سے منع کرے۔

③ اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو پھر اس برائی کو دل سے برا سمجھے۔

اہل علم کا اس بات پر اجماع اور اتفاق ہے کہ اگر برائی مٹانے پر قدرت ہو تو برائی کو مٹایا جائے وگرنہ آخری دو صورتوں پر عمل کر لیا جائے۔[41] امام غزالیؒ (م-505ھ) نے نہی عن المنکر کے کے 8 درجات اور ان کی شرائط پر تفصیلی بحث کی ہے جو اس مقام پر دیکھی جا سکتی ہے۔[42] امام ابن عطیہ اندلسیؒ (م-543ھ) تغیر منکر اور امر بالمعروف کے مراتب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: والناس في تغيير المنكر والأمر بالمعروف على مراتب[43]

"اور لوگوں میں منکر کی تغیر اور امر بالمعروف کے چند مراتب ہیں۔"

اس کے بعد بعد انہوں نے جو مراتب بیان کیے وہ درج ذیل ہیں۔

❶ علماء کا فرض ہے کہ وہ اس سلسلہ میں حکام اور والیوں کو تنبیہ کریں اور علم کے راستہ پر چلائیں۔

❷ حاکموں کا فرض ہے وہ اپنی حکومت اور قوت وطاقت کے بل بوطے پر برائیوں کو مٹا ڈالیں۔

❸ اور عوام الناس کا فرض ہے کہ وہ زبان سے منع کریں اور اگر وہ شخص باز نہیں آرہا تو اس معاملہ کو حکام اور والیوں تک پہنچا دیں مگر یہ اس صورت میں ہے جب وہ برائی دائمی ہو اور اگر وہ برائی اچانک سامنے آئے مثلا کوئی کسی کا مال چھین رہا ہے یا بدکاری کر رہا ہے وغیرہ تو اس کو بذات خود موقع محل اور قدرت کے مطابق مٹا دیں۔[44] امام قرطبیؒ لکھتے ہیں: قال العلماء: الأمر بالمعروف باليد على الأمراء، وباللسان على العلماء، وبالقلب على الضعفاء، يعني عوام الناس[45] "علماء نے کہا امر بالمعروف ہاتھ کے ساتھ حکام پر لازم ہے اور زبان کے ساتھ علماء کی ذمہ داری ہے اور دل کے ساتھ ضعفاء یعنی عوام الناس پر واجب ہے۔"

الغرض دعوت دین کا کام زبان سے کرنا اہل علم کی ذمہ داری ہے اور برائی کو روکنے کی جتنی استطاعت ہو اس کے مطابق اسے مٹایا جائے اور مجرم کو خود سزا دینے کی بجائے عدالت کی طرف رجوع کیا جائے۔

دعوت و تفہیم دین کا طریق کار

دعوت و تفہیم دین کے دو بنیادی طریقے ہیں۔

❶ قول کے ذریعے دعوت و تفہیم دین۔ اس کی پھر دو صورتیں ہیں۔

① تقریر اور بیان کے ذریعے اس کا تعلق زبان سے ہے۔

② تحریر کے ذریعے اس کا تعلق قلم سے ہے۔

❷ عمل کے ذریعے۔

① تقریر اور بیان کے ذریعے دعوت و تفہیم کا طریقہ

جب کوئی شخص تقریر اور بیان کے ذریعے اسلام کا پیغام دوسروں تک پہنچانا چاہے تو اسے سابقہ باتوں کے ساتھ ساتھ درج ذیل امور کی رعایت رکھنی چاہیے۔

علاقائی زبان پر عبور

اگر اپنے ہم وطن لوگوں کو دعوت اسلام دینی ہے تو علاقائی بولی اور زبان پر پوری طرح عبور ہو تاکہ بات زیادہ موثر ثابت ہو ۔ارشاد ربانی ہے:﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ﴾ [46]"ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے تاکہ وہ ان کے سامنے کھول کھول کر بیان کرے۔"

اس آیت سے معلوم ہوا جب اپنے علاقہ اور قوم میں تبلیغ کرنی ہو تو اپنی زبان میں اچھی طرح مہارت ہونی چاہیے تاکہ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہمیں پیغام سمجھ نہیں آیا۔باقی اس آیت یہ استدلال نہ کیا جائے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام تو قوم عرب میں مبعوث ہوئے ان کی زبان عربی تھی لہذا جن لوگوں کی زبان غیر عربی ہے ان کے لیے نہ ماننے کی یہ حجت اور دلیل ہو سکتی ہے کہ پیغام اسلام ہماری زبان میں نہیں تھا ہماری زبان تو اور تھی۔؟اس لیے کہ دیگر نصوص سے یہ بات واضح اور ثابت ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت تمام انسانوں کے لیے ہے۔[47]اور جو غیر عرب ہیں ان کو اگر دعوت دین ان کی زبان میں ترجمہ کر کے پیش کر دی جائے تو یہ ان کے لیے حجت ہے۔[48]

دیگر زبانوں سے واقفیت

اگر مخاطب دوسری زبانوں کے لوگ ہیں تو اس زبان سے سے بھی اتنی واقفیت اور مناسبت ہو کہ اظہار مافی الضمیر کر سکے یا کم از کم ماہر دیندار ترجمان کی سہولت حاصل ہو جو مکمل احتیاط کے ساتھ پوری بات کو مخاطب کی زبان میں منتقل کر سکے اس لیے کہ پوری دنیا تک دعوت دین پہنچانا اس امت کی ذمہ داری ہے اس کام جو رکاوٹ ہو اسے دور کرنا بھی اس میں شامل ہے۔

باسلیقہ گفتگو

گفتگو میں منطقی ترتیب اور فصاحت وبلاغت کے ساتھ محاوروں اور تراکیب کا استعمال کرتے ہوئے دل نشین انداز میں بات کرے کہ لوگ اس کی طرف کشش محسوس کریں۔جیسا کہ حدیث میں ہے:«إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا» [49]تحقیق بعض بیان میں جادو ہوتا ہے۔" اس کا مطلب یہ نہیں کہ مرقع اور مسجع عبارتیں پیش کی جائیں بلکہ ایسی بلیغ انداز میں گفتگو ہونی چاہیے مخاطب کے اشکالات دور ہو جائیں اور حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر مخاطب کے سامنے آجائے اور اس پر سحر کر دے کہ اس کے دل ودماغ پر رقت طاری ہو جائے اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو جائے کہ جو اس سے کہا جارہا ہے وہ قابل غور وفکر ہے اور اس میں اس کی ہی بھلائی اور خیر خواہی کی جارہی ہے۔

علمی انداز

جذباتیت کی بجائے سنجیدگی اور علمی انداز میں مخاطب کے فہم کے پیش نظر بات کی جائے اس لیے کہ علم وہ دولت ہے جس کی وجہ حضرت انسان اشرف المخلوقات کے مرتبہ پر فائز ہوا اور حضرت آدمؑ کی فرشتوں پر برتری کے واقعہ میں بھی علم سے ان کی امتیازی شان سامنے آئی۔

باحوالہ بات

ہر بات کو باحوالہ پیش کرے یا کم از کم مطالبہ پر معلوم ہو کہ اس بات کا ماخذ کیا ہے اس لیے کہ محض قصص، واقعات اور بے سند باتوں سے ہر طبقہ کے لوگ متاثر نہیں ہو سکتے اس لیے جو بات بھی مخاطب کے سامنے پیش کی جائے اس کا پس منظر، منبع اور حوالہ مستحضر ہو۔

جدید ذرائع ابلاغ کا استعمال

عصر حاضر میں ابلاغ کے جو جدید ذرائع ہیں ان کے استعمال اور مطلوبہ مہارتوں سے واقف ہو تا کہ کم وقت میں زیادہ کام کر سکے جس طرح آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے اپنے دور میں جو مروجہ ذرائع ابلاغ تھے ان کو بھی استعمال کیا اور کچھ خود وضع کیے کیونکہ ہر دور کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں چنانچہ اس دور میں ابلاغ کے جو نئے ذرائع سامنے آئیں ان سے فائدہ اٹھانا بھی نہایت موثر ہوتا ہے۔

② تحریر کے ذریعے دعوت و تفہیم کا طریقہ

اگر داعی تحریر کے ذریعے دعوت دین کا کام کرنا چاہتا ہے تو اس کے لیے درج ذیل امور کی پاسداری ضروری ہے۔

افکار کی صحت

داعی جن افکار اور خیالات کو دوسرے تک پہنچانا چاہتا ہے وہ صحیح ہوں قرآن وسنت، اجماع، قیاس سے ماخوذ ہوں اور ہر قسم کے سقم و کمزوری سے محفوظ ہونے چاہیں چونکہ تحریر کی عمر لمبی ہوتی ہے اس لیے کوئی ایسی غلط بات جو دینی تعلیمات کے خلاف ہو یا اسلام کے کسی اصول و فروع پر اس کی زد پڑتی ہو اس سے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ ہر انسان نے ایک دن دنیا سے چلے جانا ہے یہ کتابیں ہی ہیں جو مصنفین کو زندہ رکھتیں ہیں اگر خیالات فاسدہ اور افکار کاسدہ کو خوبصورت پیرائے میں بیان کر دیا تو وہ کتاب جب تک دنیا میں رہے گی اپنے اثرات باقی رکھے گی جس کا داعی کو گناہ ہو گا ہی ساتھ جتنے لوگ ان پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی اس کے سر پر ہو گا اس لیے بہتر یہ ہے کہ ایسی تحریر یا کتاب کسی بڑے عالم کی نظر ثانی اور تائید کے بعد منظر عام پر لائی جائے۔

عمدہ خط

داعی کی لکھائی اور خط عمدہ ہونا چاہیے کہ دیکھنے والے پر خوشگوار اثرات مرتب کرے وگرنہ آج کل کمپیوٹر کی مدد سے اس مسئلہ کا حل موجود ہے۔

قواعد املاء سے واقفیت

قواعد املاء اور فنی باتوں سے بالکلیہ واقفیت ہو تا کہ بات کے افتتاح، اختتام، نتائج، جملوں کے درمیان تعلق، کہیں بات کی تاکید اور زور دینا مقصود ہوتا ہے اور کہیں استفہامیہ انداز درپیش ہوتا ہے وغیرہ ان تمام میں علامات ترقیم کی ضرورت پڑتی ہے۔

عام فہم تحریر

تحریر عام فہم اور مربوط انداز میں ہو اس قدر مغلق اور پیچیدہ نہ ہو کہ مخاطب اسے سمجھ ہی نہ سکے اس لیے کہ وہی تحریر موثر و مقبول ہو گی جو مخاطب کی ذہنی سطح کے عین موافق ہو جس بحث کو مشکل الفاظ اور مغلق تعبیرات کی بھینٹ چڑھا دیا جائے وہ قاری کو بددل کر دے گی۔

کتب کے تراجم میں مروجہ الفاظ کا استعمال

اگر کسی عربی دینی کتاب کا ترجمہ کیا ہو تو وہ بامحاورہ ہونا چاہیے اور مروجہ الفاظ کا استعمال ہو تا کہ اس ترجمہ کو سمجھنے کے لیے مزید الفاظ کے ترجمہ کی ضرورت نہ ہو اور اگر ایسے الفاظ کا استعمال ناگزیر ہو تو اس کی قوسین () یا حاشیہ میں مزید آسان تعبیر میں وضاحت کر دی جائے۔

منطقی اور جامع انداز

مباحث کو منطقی انداز میں تحریر کیا گیا ہو اور فلسفیانہ موشگافیوں، غیر ضروری مباحث حشو اور زوائد سے پاک ہو تا کہ قاری پڑھتے وقت کوئی الجھن محسوس نہ کرے بسا اوقات طویل مضامین اور تحاریر کو دیکھ کر ہی انسان گھبرا جاتا ہے اس لیے اختصار اور جامعیت کے ساتھ ایسے انداز میں بات کو پیش کیا گیا ہو کہ قاری کی دلچسپی بڑھے اور ہر پیرا گراف کا دوسرے سے تعلق ہو اور اسی طرح ہر فصل اور باب کا ایک دوسرے سے ربط ہو۔

جذبات و سطحیت سے پاک

محض جذباتی اور سطحی باتیں اور دعوے نہ ہوں بلکہ باحوالہ اور مدلل انداز ہو جس سے معنویت اور مقصدیت واضح ہونی چاہیے۔ سطحی اور سرسری باتوں سے ناواقف اور کم علم تو متاثر ہو سکتا ہے مگر پڑھے لکھے طبقات کے لیے یہ موزوں نہیں ہے۔

ادب الاختلاف

اگر کسی کی رائے کا علمی نقد ہو تو اختلاف رائے کے اصول کے عین مطابق ہو جس میں متعلقہ مباحث پر توجہ ہونی چاہیے نا کہ شخصیت کو نشانہ بنایا گیا ہو۔ رکیک جملوں اور عامیانہ انداز سے مکمل گریز ہونا چاہیے استدلال و استنباط اور دلیل و برھان کے ساتھ مخاطب کو اس کی غلطی پر بڑی دانائی اور حکمت سے کام لیتے ہوئے متنبہ کیا جائے اس کی کم علمی، تحقیر، تذلیل اور اسے زچ کرنا مقصود نہ ہو کیونکہ یہ طرز عمل شدت اور تعنت کی طرف لے جائے گا۔

عصری تقاضوں کا لحاظ

موقع و محل اور عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھا گیا ہو اور حتی الامکان مناظرانہ انداز سے اجتناب کرنا چاہیے الا یہ کہ وہ بات یا مسئلہ ہی اس بات کا متقاضی ہو تو وہ صورت مستثنیٰ سمجھی جائے گی اس لیے کہ فی الجملہ مناظرہ اور مباحثہ کی اہمیت اور افادیت سے انکار نہیں مگر ہر بات کو مناظرانہ رنگ میں لے جانا مفید ثابت نہیں ہوتا۔

تحقیقی انداز بیان

تحقیقی انداز میں بات کی گئی ہو اس لیے کہ کتنی ہی مضبوط عمارت کیوں نہ ہو اگر اس کا رنگ وروغن اور آرائش و زیبائش نہ ہو تو وہ عمارت اپنی اصل قدر و قیمت کھو بیٹھے گی اس لیے کہ کتنی ہی عمدہ اور اعلی بات کیوں نہ ہو اگر اسے تحقیقی اصول کو نظر انداز کر کے پیش کیا گیا ہو تو وہ اپنی تاثیر برقرار نہ رکھ سکے گی۔

عقلی اور نقلی دلائل کا استعمال

چونکہ عقلیات کا دور ہے اس لیے دعوی اور بات کے اثبات میں جن دلائل کو مدار بنایا جا رہا ہے وہ منقولی اور معقولی دونوں طرف سے ہوں۔ اس لیے کہ نقلی دلائل (قرآن وحدیث) سے صرف نظر کر کے بات کرنا بے وزن ہو جائے گا اور خلاف عقل باتیں کرنا تضحیک اور استہزاء کا باعث بنے گا۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ عقلی دلائل کے انبار موجود ہیں تا کہ مخاطبین کے اشکال رفع ہو سکیں اور بات سمجھ آجائے اس لیے دعوت دین میں عقلی و نقلی دلائل ہر دونوں سے کام لے کر بات کی گئی ہو۔

انتشار والی باتوں سے اجتناب

ایسی باتیں جو افتراق اور انتشار کا باعث بن سکتی ہوں ان سے گریز کرنا ہی بہتر ہے اور ضروری نہیں کہ ہر تحقیق کو منظر عام پر لایا جائے اس لیے ہر ایسی تحقیق جو نزاع کا باعث بن سکتی ہو فوائد کی بجائے نقصانات زیادہ ہونے کے امکان ہوں تو اسے سامنے نہیں لانا چاہیے۔ حضور اکرم ﷺ پر جب جادو کیا گیا آپ ﷺ کو بذریعہ وحی اس کا علم ہو گیا کہ جادو لبید بن اعصم

منافق نے کیا ہے جس کا بنی زریق سے تعلق تھا جن چیزوں کو استعمال کر کے یہ جادو کیا گیا تھا آپ ﷺ نے ان کو ذروان کے کنویں سے نکلوالیا، اس پر حضرت عائشہؓ عرض کیا یارسول ﷺ آپ نے اس کا اعلان کیوں نہیں کروایا تو جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: أَمَّا اللَّهُ فَقَدْ شَفَانِي، وَأَكْرَهُ أَنْ أُثِيرَ عَلَى أَحَدٍ مِنَ النَّاسِ شَرًّا»[50] "واللہ مجھے شفاء ہوگئی اور مجھے ناپسند ہے کہ میں کسی کی برائی کو مشہور کروں۔"

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م-852ھ) نے آپ ﷺ کے اس جواب کے پس منظر میں لکھا ہے "کہ کسی مصلحت یا بات کی وجہ سے فساد کا اندیشہ ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے۔"[51] یہ ایک بہت بڑی مثال ہے اگر آپ ﷺ چاہتے تو اسے سب اصحاب کے سامنے بلوا کر بے نقاب کرتے اور اس کے فعل قبیح کا لوگوں کو علم ہوتا مگر آپ ﷺ کی رحمت و شفقت دیکھیے کہ ایک کافر کے بارے میں بھی یہ پسند نہیں فرمایا کہ اس کی برائی کی تشہیر ہو تو ہمیں اپنے مسلمان بھائیوں کے بارے میں بھی اس طرز عمل کو اختیار کرنا چاہیے اور کوئی ایسی بات نہ لکھیں جس سے معاشرہ میں انارکی ہو یا لوگوں میں بے چینی کی فضا پیدا ہو اس لیے زندگی کے دیگر شعبوں اور پہلوؤں کی طرح تحریر میں بھی مصلحت کو سامنے رکھنا چاہیے۔ اسی طرح آپ ﷺ کو منافقین کے بارے میں بذریعہ وحی علم تھا مگر آپ ﷺ نے انہیں قتل نہیں کرایا اور نہ ہی سب کے سامنے بے نقاب کیا تاکہ فساد وانتشار نہ ہو لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرا رہے ہیں اس طرح وہ دین سے متنفر نہ ہو جائیں اور نئے اسلام قبول کرنے والے کسی ہچکچاہٹ اور تذبذب کا شکار نہ ہوں۔[52]

❷ عمل کے ذریعے دعوت و تفہیم دین

اگر داعی اپنے عمل اور فعل کے ذریعے دعوت دین دینا چاہتا ہے تو درج ذیل امور کا لحاظ ضروری ہے۔

متبع شریعت

داعی متبع شریعت ہو اس کیونکہ عام لوگوں نے اس کے عمل اور فعل کو اپنے لیے حجت تسلیم کرنا ہے اس لیے وہ جملہ معاملات میں شریعت سے رہنمائی لے اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ پہلے کسی عالم اور بزرگ کی صحبت میں وقت گزار چکا ہو۔

خلاف سنت امور سے اجتناب

ایسا کوئی عمل اور فعل نہ بجالائے جس کی دین میں کوئی اصل نہ ہو اور خلاف سنت کاموں سے بھی اجتناب کرے گو بعض جگہ ان کا جواز ہے تاہم لوگ کہیں اس عمل کو مستقل دلیل نہ بنالیں اس لیے اجتناب ہی اولی ہے جیسا کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کی گنجائش ہے مگر اس کو عوامی مقامات پر بلاضرورت اختیار نہ کرے۔

اجماعی اور متفق علیہ امور پر عمل

متفق علیہ اور اجماعی امور پر عمل کرے، شاذ اور مرجوح باتوں پر عمل نہ کرے تاکہ مفتیٰ بہ اور راجح امور کا ابلاغ ہو۔

عوام کے سوء ظن سے بچنا

کسی جگہ نماز پڑھانی ہو تو لوگوں کے سامنے وضو کرے جیسا کہ بعض علماء کی رائے ہے تاکہ لوگوں کو سوء ظن پیدا نہ ہو اور سنتیں و نوافل مسجد میں ہی ادا کرے تاکہ لوگوں کو اس کی تلقین ہو، کبھی کبھار گھر میں بھی پڑھ لے لیکن معمول نہ بنائے اس لیے کہ جب علماء بقیہ نماز اپنے حجروں یا گھروں میں ادا کریں گے تو لوگوں کو یہ گمان ہو سکتا ہے کہ شائید ان اعمال کی

اتنی تاکید نہیں ہے اور یہ علماء جب نہیں پڑھ رہے تو ہم کیوں پڑھیں ضروری نہیں کہ گھروں اور حجروں میں ادا کردہ بقیہ نماز کا لوگوں کو علم ہو۔

اختلاف رائے میں نرمی و برداشت

اگر کسی عالم یا اسکالر سے بحث ومباحثہ کی نوبت آجائے تو ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہے جس سے اختلاف رائے تو سامنے آئے مگر مخالفت اور مخاصمت کی فضا قائم نہ ہو تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ علماء ایک دوسرے کا ادب واحترام کرتے ہیں یہ چیز باہمی اتفاق اور وحدت کا باعث بنے گی۔ اور مختلف اہل علم کی فکری آراء کا مختلف ہونا کوئی حیرت کی بات نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر رائے اور بات سے اتفاق ہو مگر احترام رائے ہونا چاہیے اور عوامی حلقوں میں ان پر ایسا ردعمل دینا جو نزاع اور انتشار کا باعث بن سکتا ہو اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہیے۔

خلاصہ بحث

دعوت دین، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو دین میں بنیادی اور مرکزی حیثیت حاصل ہے دعوت دین کی اہمیت کے لیے یہی بات کافی ہے کہ یہ انبیاء ورسل، مومنین وصلحاء کا کام ہے اور مومنین ومنافقین کے درمیان اسی سے فرق ہوتا ہے اگر اس کو نظر انداز کردیا جائے کہ لوگ نہ اس کا علم حاصل کریں اور نہ ہی خود عمل کریں اور لوگوں کو ترغیب دیں تو نبوت ورسالت کے مقاصد ہی ختم ہوجائیں گے دین کی بنیادیں ہل جائیں گی اور معاشرتی زندگی میں گمراہی، جہالت، دنگا فساد اور بگاڑ پیدا ہوجائے گا حقوق اللہ اور حقوق الناس پامال ہونا شروع ہوجائیں جس کا نتیجہ دنیا وآخرت کی تباہی وبربادی اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ہے اس لیے ہر دور میں یہ کام جاری رہا حضور اکرم ﷺ کے وصال کے بعد دعوت دین کا کام رکا نہیں بلکہ آگے بڑھتا گیا۔ اس امت کی مختلف جماعتیں اور افراد اپنے زمانہ میں اس ذمہ داری کو ادا کرتے رہے دور نبوی ﷺ سے لے کر آج تک تبلیغ دین کا سلسلہ کسی زمانہ میں تعطل کا شکار نہیں ہوا مگر اس کی نوعیت اور طریق کار ہر زمانہ میں مختلف رہے ہیں بعض اہل علم نے تحریر کے ذریعے اس نیک کام میں حصہ لیا تو بعض نے اپنی تقریروں سے اس فریضہ کو سرانجام دیا۔ بعض نے اپنے اعمال وافعال سے اسلام کی ترجمانی کی تو بعض نے خانقاہی نظام سے اسلامی تعلیمات کا پرچار کیا اس عظیم ذمہ سے سبکدوش ہونے کے لیے دعوت و تفہیم کے ارکان وشرائط اور طریق کار سے شناسائی نہایت ضروری ہے اس لیے موقع ومحل اور مخاطب کی رعایت کے ساتھ کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے جو اس بارے میں ممدومعاون ثابت ہو۔

References

[1] Abu Mansūr, Muhammad Bin Ahmed Azhari, Tahzeeb Al-Lugha(Beirūt: Dāre ᵓIhiyāᵓ Al-Turāth Al-ᶜArabī, 2001) 3: 77

Mahmūd bin ᶜAbdul Raheem Ṣāfī,Al Jadwal Fī ᶜIrab-il-Qurān-il-Kareem(Damishq:Dār-ur- Rasheed,1418) 2:376

Abu Ṭahir Muhammad bin Yaqūb Al Fairūz Ābadī, Basāir dhavī -Al-Tameez fi Latāif-il- Kitāb- il- Azeez(Al Qāhera:Al- Majils ul Aᵓla Al- Shaūn-ul-Iᵓslāmiah,1996)2:601

[2] Muhammad bin Mukarram Ibn Manẓūr Afriqī, Lisān- ul-ᶜArab(Beirūt: Dar-e-Sāder, 1414)14:259

[3]Ibn Manẓūr Afriqī, Lisān ul-ᶜArab, 12:459

[4]ᶜAli Bin Muhammad Al-Sharif Al-Jarjānī, Al-Tarefāt(Beirūt: Dār- ul-Kutb- ul- il Miah, 1403) 1:63
[5]Al- Naḥal,16:125
[6]Al- Aḥzāb,33:45,46
[7] Muhammad bin Yazid Ibn Jarir Al-Ṭabarī, Jāmiᶜ ul-Bayān fi Tāwil- il-Qurān, (Mussaat- ul-Rasalah, 1420 AH)17:321
Abu Al-Ḥasan ᶜAlī Bin Muhammad Al-Māwardī, Al-Nikat Wal-Aᶜyūn(Beirūt: Dār ul-Kutb-il- ᶜilmiah) 3: 220
Abu ᶜAbdullah Muhammad Bin Ahmad Al-Qurṭubī,Al-Jamiᶜ-li-Aḥkām-il-Qurān(Al- Qahera: Dār ul-Kutub-il- Misriah, 1384 AH)14: 20
[8] Al Naḥal,16:36
[9]Al Tawbah,9:112
[10] Al Tawbah,9:67,71
[11]Ālᶜ Imrān,3:110
[12]fuṣṣilat,41:33
[13]Āl ᶜImrān;,3:104
[14]Āl ᶜImrān,3:104
[15]Abu Bakr Ahmad Bin Alī Al-Jaṣṣās Al-Rāzī, Ahkām ul-Qurān(Beirūt:Dār ul-Kutb-il- ᶜil Miah, 1415 AH)2: 37
Abu Hāmid Muhammad bin Muhammad Al-Ghazālī, Iᵓḥyā ᶜulūm- id- Deen, (Beirūt: Dār- ul-Marifah, Vol 2, P 307
[16] Luqmān,31:17
[17], Abu Al- Qāsim Mahmūd bin Amar Al-Zamakhsharī, Al- Kashhāf - ᶜan Ḥaqāiq Gwāmiḍ- it- Tanzeel(Beirūt: Dār- ul-Kitāb- ul-ᶜArabi, 1407 AH)3: 496
Muhammad Bin Umar Fakhruddin Al-Rāzī, Mafātiih-ul-Ghayb(Beirūt:Dār-e-Iᵓhiyā -Al-Turāth Al-ᶜArabī, 1420 AH)25:122
Abu Al-Barakāt ᶜAbdullah Bin Ahmed Al-Nasafī, Madārik–ul-Tanzeel wa Ḥaqāiq- it- Taweel(Beirūt: Dār- ul-Kalim- ul-Ṭayyib, 1419 AH) 2: 716
[18]Abu Isḥāq Ibrāhim Bin Al-Sarī Al-Zujāj, Maᶜani-ul -Qurān wa Iᶜrābohoo(Beirūt, Aalam -ul-Kutab, 1408 AH) 1: 452
Ahmad Bin Muhammad Al-Thalabī Al-Kashf Wal Bayān- ᶜAn- Tafsir- il-Qurān, (Beirūt: Dār- e- Iᵓhiyā Al-Turāth- Al-ᶜArabi, 1422 AH)3:122
Abu Muhammad Al-Husain Bin Masᶜūd Mohī -ul-Sunnah Al-Baghawī, Maālim -ul-Tanzeel(Beirūt: Dār- e- Iᵓhiyā -Al-Turāth -Al-ᶜArabi,1420 AH) 1: 486
[19]Al Jaṣṣas,Ahkāmul Qurān, 2.:37
Al-Ghazālī, Iᵓḥyā- ᶜulūm- id- Deen, 2: 307
Al-Zamakhsharī, Al Kashhāf - ᶜan- Ḥaqāiq Gwāmiḍ- it- Tanzeel 1: 396
Al-Rāzī, Mafātiih- ul-Ghayb, 8: 314
Al-Qurṭubī, Al-Jamiᶜ -li- Aḥkām -il-Qurān, 4:165
Mahmūd bin Abī -Al-Hasan Al-Nisāpūrī, Iᶜjāz -ul-Bayān- ᶜan- maᶜan-īl- Qurān, (Beirūt: Dār -ul-Gharb ul-Islāmi, 1415 AH) 1:200
ᶜAbdullah Bin Umar Al-Bayḍāwi, Anwār ul-Tanzeel Wa asrār- ut- Taweel(Beirūt: Dār- e- Iᵓhiyā -Al-Turāth -Al-ᶜArabi, 1418 AH) 2: 32
ᶜAbdul Rahmān bin Abi Bakr, Jalāl -ud-Deen Al-Sayyuṭī,Jalālayn(Al-Qahera:Dār-ul –Hadeeth) 1: 81
[20]Āl ᶜImrān,3:104
[21]Al Jaṣṣas,Ahkāmul Qurān2:42

Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2:312 to 314
Al-Zamakhsharī, Al Kashhāf -ʿan- Ḥaqāiq Gwāmiḍ -it- Tanzeel 1: 398
Al-Rāzī, Mafātiih ul-Ghayb, 8: 315
[22]Al-Ṭabarī, Jamiʿ ul-Bayān fi Tāwil- il-Qurān,7:105
Al-Mawardī, Al-Nikat Wal-Aʿyūn, 2: 379
Abu Al-Qāsim Al-Hussain Bin Muhammad Al-Rāghib Al-asfahānī, Tafsir -ul-Rāghib -Al-asfahānī(Riyaḍ, Dār -ul-Waṭan, 1424 AH) 2: 770
Abu- al-Faraj ʿAbdul Rahmān bin ʿAli Ibn- ul-Jawzī, Zād ul-Maseer fi Ilm-it-Tafseer(Beirūt: Dār -ul-Kitāb- ul-ʿArabi, 1422 AH) 1: 312
[23]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2:312
[24]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm –id- Deen, 2: 312
[25]Abu Muhammad Makkī bin Abi Ṭālib,Al-Hidāyah ilā Balūgh-il-Nahāyah(Jāmiʿah Al-Shāriqa,Majmūha baḥūth –ul- Kitāb wal Sunnah, 1429 AH) 3: 1905
Al-Qurṭubī, Al-Jamiʿ- li- Aḥkām -il-Qurān, 4: 47
[26]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2: 333
[27]Al-Zamakhsharī, Al Kashhāf -ʿan- Ḥaqāiq Gwāmiḍ -it-tanzeel, 1: 396
[28]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm –id- Deen, 2: 333
[29]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm –id- Deen, 2: 333
[30]Al-Bayḍāwi, Anwār -ul-Tanzeel Wa asrār –ut- Taweel, 2: 32
[31], Abu Muhammad ʿAbdul Haq Bin Ghālib Ibn ʿAṭiyah -Al-Undlasī, Al-Muḥarrar-ul-Wajeez Fi Tafseer-il-Kitāb-il-Azeez(Beirūt:Dār-ul-Kutub-ul-ʿlmiah,1422 AH)1:486
[32], Abu ʿAbdullah Muhammad Ibn Waḍḍaḥ, Al-Bidaʿ -wa- Al-Nahī- ʿAnhā,Al-Qāherah(Maktabah, Ibn Taymiyyah 1416 AH) 2:183
[33]Ibn ʿAṭiyah -Al-Undlasī, Al-Muḥarrar-ul-Wajeez, 1: 486
[34]Al-Zamakhsharī, Al Kashhāf -ʿan- Ḥaqāiq Gwāmiḍ- it- Tanzeel, 1: 397
[35]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2: 324
[36]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2: 324
[37]Āl Ḥujrāt,49:12
[38]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2: 325,326
[39]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2, : 315
[40]Muslim bin Al-Hajjāj, Al-Ṣaḥiḥ, (Beirūt: Dār- e- Iʾhiyā Al-Turāth Al-ʿArabi.1:. 69, Hadith Number: 49
[41]Abu Amar Yusuf bin ʿAbdullah Ibn ʿAbdul Bar mālki, Al-Tamheed(Al-Maghrib,Wazarat umūm-ul-AwQāf wal Shaʾūn-ul-Iʾslāmiah, 1387 AH) 23: 281
Muhammad bin ʿAbdullah Ibn ul-ʿArabi, Ahkām-ul-Qurān(Beirūt, Dār-ul-Kutub-il-ʿlmiah, 1424 AH) 1: 204
[42]Al-Ghazālī, Iʾḥyā ʿulūm- id- Deen, 2: 329
[43]Ibn ʿAṭiyah Al-Undlasī, Al-Muḥarrar-ul-Wajeez,1: 486
[44]Ibn ʿAṭiyah Al-Undlasī, Al-Muḥarrar-ul-Wajeez, 1: 486
[45]Al-Qurṭubī, Al-Jamiʿ -li- Aḥkām- il-Qurān, 4:47
[46]Ibrāheem,14:04
[47]Al-Aʿrāf,7:158
Al-Sabā,34:28
[48]Al-Zamakhsharī, Al Kashhāf -ʿan- Ḥaqāiq Gwāmiḍ- it- Tanzeel,2: 539
Al-Qurṭubī, Al-Jamiʿ- li- Aḥkām- il-Qurān, 9:340

[49]Abu cAbdullah Muhammad Bin Ismacil Al-Bukhārī , Al-Jamic-Al-Saḥiḥ(Dār-e-Tawq-ul-Najāt, 1422 AH) 7:19, Hadith Number: 514
[50]Al-Bukhārī, , Al-Jamic-Al-Saḥiḥ, 4:153, Hadith Number: 3396
3:120, Hadith Number: 2411
[51]Ahmad Bin cAli Ibn-e- Ḥajar Al-cAsqalānī, Fatḥul Bārī(Beirūt: Dār-e- Al-Macrifah, 1379 AH) 10: 231
[52]Al-Qurṭubī, Al-Jamic -li- Aḥkām- il-Qurān, 1:198